تقدیم

ڈاکٹر محمد خالد مسعود

شناخت، تشخص اور پہچان ہر معاشرے، ثقافت اور ملک کا بنیادی مسئلہ رہا ہے، چونکہ اس کے حوالے اور معیار مختلف ہوتے ہیں اس لحاظ سے ترجیحات بدلتی رہتی ہیں۔ اس طرح ہر شخص کی ایک ہی وقت میں کئی شناختیں ہوتی ہیں لیکن مخصوص حوالوں اور ترجیحات کی بناء پر ان میں سے ایک شناخت کو زیادہ اہم قرار دے دیا جاتا ہے۔ قبل از اسلام معاشرت قبائلی تھی اس لیے اس کی بنیادی شناخت زبان، نسب اور خونی رشتوں پر قائم تھی۔ عرب اپنی زبان پر فخر کرتے تھے اور باقی ساری دنیا کو عجم (گونگا) کہتے تھے۔ فرد اپنی ذات سے نہیں قبیلے سے پہچانا جاتا تھا۔ معاشرتی رشتے ناطے، عہد و پیمان، قتل اور قصاص افراد کے درمیان نہیں قبیلوں کے درمیان طے ہوتے تھے، حسب و نسب ان کی پہچان تھی۔

اسلام نے ایک نئی معاشرت کی بنیاد ڈالی جس میں زبان اور حسب و نسب کی بجائے تکریم انسانیت اور توحید باری تعالیٰ کی بنیادی اقدار کو شناخت کی بنیاد بنایا۔ جاہلیت کی تمام عصبیتی اقدار کی نفی کی گئی لیکن شعوب و قبائل کی شناخت کو ختم نہیں کیا گیا۔ اس کے تعارف اور پہچان کے پہلو کو تسلیم کیا گیا لیکن اسلامی معاشرے میں اب حسب نسب، عزت و عظمت کا معیار نہیں رہا۔ کرامت اور بزرگی میں سب انسان برابر ہیں، وجہ افتخار صرف تقویٰ ہے جو خدا خوفی، احساس ذمہ داری اور انصاف کی پاسداری سے عبارت ہے۔ میثاق مدینہ اسلام کی سیاسی معاشرت کا دینی دستور ہے جس میں مختلف نسلی اور مذہبی شناختوں کو تسلیم کیا گیا۔ نام کسی فرد کی شناخت کی بہت بڑی علامت ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایسے نام رکھنے کی ہدایت کی جن سے انسان کی عظمت اور اخلاقی پاکیزگی کا اظہار ہو۔ ایسے نام رکھنے سے منع کیا گیا جو انسان کی دوسرے انسانوں کی غلامی اور قبائلی عصبیت کی علامت ہوں۔

اسلامی ثقافت میں عربی زبان کو بنیادی اہمیت رہی لیکن عربی زبان شناخت کا عنوان نہیں بنی۔ اموی عہد کے بعد کبھی اس بات پر زور نہیں دیا گیا کہ نام عربی زبان میں رکھے جائیں۔ فارسی زبان کو اسلامی معاشرے میں اتنی پذیرائی ملی کہ اللہ، رسول اور صلوٰۃ صوم جیسی بنیادی دینی اصطلاحات کے لیے خدا، پیغمبر، فرشتے، نماز اور روزہ کے فارسی الفاظ زیادہ معروف ہو گئے۔

اسلام میں ثقافتی تنوع نے دینی امور میں اختلاف رائے کی اہمیت کو مضبوط کیا۔ فقہاء کے اختلاف سے فقہی مذاہب، متکلمین کے اختلاف سے فرقے اور صوفیا کے اختلاف سے مختلف طرق و سلاسل کو فروغ ملا۔ یہ اختلافات اکثر شناخت کا ذریعہ بھی بنے انہوں نے جدل و مناظرے کو بھی رواج دیا اور برتری اور تصادم کی بنیاد بھی بنے۔ ان شناختوں میں بعض نے بعض اوقات یہ دعویٰ بھی کیا کہ صرف وہی اسلامی ہیں۔ لیکن یہ دعویٰ کبھی کامیاب نہیں رہا کیونکہ شناختوں کا تنوع اسلامی معاشرت اور ثقافت کا خاصہ رہا ہے۔ ہر شناخت کا ایک مخصوص حوالہ ہے اور اسی حوالے سے جانی جاتی ہے۔

اسلامی فکر میں شناخت کے مسئلے پر کفار سے تشبہ اور بدعت کے حوالے سے بھی گفتگو رہی۔ ثقافتی اور دینی دونوں لحاظ سے یہ شناخت کے بنیادی سوال تھے۔ تاہم مسلم مفکرین نے ان کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ ہر نئی چیز کو بدعت نہیں کہا جا سکتا۔ دینی حوالے سے قابل مذمت

صرف ایسی نئی باتیں ہیں جن کو دین کا درجہ دے دیا جائے۔ بدعات وہ رسوم ورواج ہیں جو اصلاً دین سے تعلق نہیں رکھتے لیکن اگر ان کو دین سمجھ کر اسی پابندی سے کیا جائے جو دینی عبادات کے لیے مخصوص ہے تو وہ بدعات کہلائیں گے۔ اسی طرح غیر مسلموں سے مشابہت صرف ان چیزوں میں منع ہے جو ان کے دین کی علامت یا شعار ہوں۔

شناخت کے مسائل میں قومی شناخت کا تصور سب سے زیادہ گمبھیر اور الجھا ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قومیت اور قومی ریاست کا تصور ایک ایسی ہمہ گیر، مکمل اور استثنائی شناخت کا متقاضی ہے جو ہر لحاظ سے جامع اور مانع ہو اور دوسری تمام شناختوں سے الگ اور بالاتر ہو۔ شناخت کے پہلے تصورات تنوع کو قبول کرتے تھے اور محل اور موقع کی مناسبت سے ترجیحات طے کرتے تھے۔ قومی شناخت کا تصور ان تنوعات کو قبول نہیں کرتا۔ اس مبالغہ آمیز تصور کی بنیاد یورپ کی تاریخی اور جغرافیائی ضرورتیں تھیں۔ وہاں قومیت کا نظریہ تبھی کامیاب ہو سکتا تھا جب وہ مذہبی سیادت کے نظام سے آزاد ہو سکے اور نئے نظام کو زبان اور نسل کی بنیاد پر قائم کر سکے۔ مسلم معاشرتوں کی تاریخ اس سے مختلف تھی۔

اسلامی دنیا میں مذہبی سیادت کا کوئی استبدادی نظام موجود نہیں تھا۔ اسلامی دنیا میں سلطنتیں ضرور تھیں لیکن وہ یورپ کی سلطنتوں کی طرح دینی نظام پر مبنی نہیں تھیں۔ یورپ کی تاریخ میں قومی ریاستوں کی تحریک دینی سلطنتوں کے استبداد کا ردعمل تھیں۔ اسلامی دنیا میں دارالاسلام اور دارالحرب کی تقسیم جنگ، امن اور معاہدوں کی بنیاد پر تھی۔ دارالاسلام وہ علاقہ تھا جہاں مسلمان امن سے رہتے ہوں۔ جہاں غیر مسلموں کو امان ہو۔ غیر مسلموں کو نہ صرف مذہبی آزادی ہو بلکہ سیاسی اور معاشی نظام میں ان کا برابر کا حصہ ہو۔ جدید دور میں جنگ کی بنیاد پر تقسیم کی ضرورت نہیں رہی اس لیے دارالاسلام اور دارالحرب کی اصطلاحیں بھی اپنا مفہوم کھو بیٹھیں۔

اسلامی سیاسی فکر پر قومیت کی تحریک اور قومی ریاست کے تصورات نے بہت گہرے اثرات مرتب کیے۔ کچھ مفکرین نے انہیں من وعن قبول کیا تو کچھ نے ان اصطلاحات کو اسلامیانے کی کوشش کی اور بعض نے اس کے متوازی اسلامی تصورات تشکیل دیے۔ ان تمام کوششوں میں قوم اور ریاست کو ایک جامع اور مانع تصور کی حیثیت سے پیش کیا جس میں دین کی شناخت شامل نہیں تھی۔ اس سیاسی کش مکش میں مسلم شناخت اور اسلامی شناخت کے تصورات متنازعہ بن گئے۔ قومیت اور قومی ریاست کی بحث کو ایک صدی سے زیادہ گزر چکا ہے۔ اس عرصے میں کثیر الثقافت اور کثیر المذاہب قومیتیں وجود میں آ چکی ہیں۔ بین الاقوامی قوانین، معاہدات اور اداروں کی وجہ سے عالمگیر معاشرتوں اور عالمگیر سیاسی نظام کا تصور زور پکڑ رہا ہے۔ ان تمام تبدیلیوں کی روشنی میں ضروری ہو جاتا ہے کہ شناخت کے مسئلے پر از سر نو غور کیا جائے۔ عالمی سطح پر تہذیبوں کے تصادم اور استہزائی کارٹونوں کے خلاف ردعمل نے ظاہر کیا ہے کہ عالمی رائے عامہ اب نئی دنیا میں یک طرفہ شناخت کے نظریے کو مسترد کر چکی ہے۔ یک طرفہ شناخت پر اصرار انتہا پسندی، دہشت گردی، جنگی جنون اور ٹکراؤ کو جنم دیتا ہے۔ صورت احوال کی اصلاح کے لیے شناخت کے وسیع تر مفہوم کی طرف لوٹنا ہوگا۔